حکومتوں کے اس دور میں بھی پہلے کی طرح ناداروں اور زرداروں کے دو مستقل طبقے ہوں اور ان کے درمیان سماجی اور اقتصادی ناہمواری کی ایک اونچی دیوار حائل رہے۔ ہر آزاد مسلمان ملک میں حاکمیتِ جمہور کی اس منزل تک پہنچنے کی جدوجہد کسی نہ کسی شکل میں جاری ہے اسی لئے ان میں سے اکثر کے ہاں اس وقت بڑا اضطراب اور خلفشار پایا جاتا ہے اور کبھی کبھی خون خرابے تک بھی نوبت پہنچ جاتی ہے۔

یہ اپنی جگہ صحیح ہے یا غلط اس سے قطع نظر مسلمان ملکوں میں جمہور کی حاکمیت کو مِن کُلِّ وجوہٍ بروئے کار لانے کی یہ جدوجہد ہو رہی ہے، اس میں اسلام کا بھی اپنا مقام ہے کیونکہ مسلمان جمہور کے ہاں اس کی بھی اتنی ہی اہمیت ہے جتنی کہ اپنے لئے سیاسی آزادی کے بعد سماجی انصاف اور اقتصادی خوش حالی حاصل کرنے کی بلکہ سچ یہ ہے کہ اس سے بھی زیادہ چنانچہ علامہ اقبال کا یہ شعر

دین ہاتھ سے دے کر اگر آزاد ہو ملت

ہے ایسی تجارت میں مسلماں کا خسارہ

واقعی مسلمان جمہور کے ذہن و عقیدہ کی آج بھی صحیح ترجمانی کرتا ہے۔

اسلام کا احیا و قیام اور سیاسی آزادی کے بعد سماجی انصاف اور اقتصادی خوش حالی کا حصول۔ اس وقت یہ دو سب سے بڑے عوامل اور محرکات ہیں مسلمانوں کی جمہوری جدوجہد کے قومی زندگی سے اسلامی موثرات کو خارج کرنے کی جس تحریک کا آغاز ۱۹۲۳ء میں ترکی میں ہوا تھا، اس کا ردعمل ترکی کے سابق وزیراعظم عدنان مندریس مرحوم کے عہد اقتدار میں جس طرح ہوا اس کا ترک حکمرانوں کو تلخ تجربہ ہوا ہے، اور اب ان کا نقطۂ نظر کچھ بدل رہا ہے۔

استنبول کی ایک حالیہ اطلاع ہے کہ وہاں ایک جدید اسلامی درس گاہ کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ جس کے مقاصد یہ ہیں:—
ترکوں میں اسلام سے شیفتگی پیدا کرنے اس کی تہذیب و ثقافت کو اپنانے، قرآنی تعلیمات کو اپنی زندگی میں عملی جامہ پہنانے، دینی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے اور مشرق وسطیٰ میں اسلامی قدروں کے احیاء اور مسلمانوں میں نشاۃ ثانیہ کے وجود میں لانے کی صلاحیت پیدا کرنا۔ ایسے علماء پیدا کرنا جو افتاء، وعظ و ارشاد خطابت اور امامت

کی خدمات سرانجام دے سکیں۔ اور ثانوی اور دوسری درس گاہوں میں اسلامی علوم و فنون کی تعلیم دینے کے قابل ہوں۔

اسی اطلاع میں بتایا گیا ہے کہ اس وقت استنبول کی اس درس گاہ میں تقریباً تین سو طالب علم ہیں۔ اور پہلے سال اس سے جو طلبہ فارغ ہوئے ہیں، ان میں سے بعض ائمہ و خطباء بعض مدارس میں عربی ادب اور اسلامی علوم کے استاد اور بعض مفتی اور واعظ مقرر کئے گئے ہیں۔

ترکی میں اس "رجعت قہقری" کی ضرورت کیوں پڑی۔ صرف اس لئے کہ ترک جمہور یہ چاہتے تھے اور جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا۔ اس دور میں حکومت کو مرضیٔ جمہور کے سامنے کرہاً و طوعاً سرخم کرنا ہی پڑتا ہے۔

عرب ممالک میں پوری قومی زندگی کو نئی اساس پر تعمیر کرنے کی جدوجہد میں سب سے تیز سب سے آخر میں سیاسی آزادی حاصل کرنے والے ملک الجزائر ہے چنانچہ یہ اس معاملے میں متحدہ عرب جمہوریہ سے بھی زیادہ تیز ہے مثال کے طور پر الجزائر کی موجودہ قیادت ملک میں اشتراکیت (سوشلزم، کمیونزم نہیں) بڑی سرعت سے لا رہی ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس کے پروگرام میں اسلام کا احیاء بھی داخل ہے اور اسے اس سلسلے میں بھی کوشاں ہونا پڑتا ہے۔

قومی زندگی میں اتحاد و یک جہتی اور نظم و انضباط کا قیام اور اس کے علاوہ سماجی انصاف اور اقتصادی خوش حالی کا حصول — ہر مسلمان ملک میں اسلام کو ان مقاصد کی تکمیل میں بھی ممد و معاون ہونا ہے بلکہ ان کی طرف رہنمائی کرنا ہے۔ علمائے کرام اور دعوتِ احیائے اسلام کے علم بردار حضرات اپنی فکر و نظر اور عمل و کردار میں جس قدر اس حقیقت کو پیش نظر رکھیں گے اسی قدر وہ قومی قیادتوں کو اسلام کے اصول و نظریات سے زیادہ ہم آہنگ کر سکیں گے۔

۲

حضرت امام ربانی کی تجدیدی دعوت

محمد سرور

بابر سے پہلے دہلی کے تخت پر جو بھی مسلمان خاندان بیٹھے، ان کی اسلامیت کے بالعموم دو امتیازی نشان تھے، ایک فقہی مشرب میں حنفیت اور دوسرے تصوف۔ گویا حنفیت اور تصوف، اس دور میں ہندوستان کے مسلمان حکمران طبقوں کا سرکاری مذہب تھا۔ مغل سلطنت کا بانی ظہیرالدین بابر ترکستان یعنی ماوراءالنہر سے آیا تھا، جہاں حنفیت بھی پورے زور پر تھی اور اس کے ساتھ ساتھ تصوف کا بھی غیر معمولی اثر و نفوذ تھا۔ ماوراءالنہر میں ان دنوں تصوف کا ایک نیا طریقہ نقشبندی جس کے مؤسس حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندی تھے۔ فروغ پر تھا، اور عوام کے علاوہ خواص بھی اس کے حلقہ بگوش تھے[1]۔

بے شک یہ زمانہ مطلق العنان بادشاہوں کا تھا۔ اور عام طور سے ایک بادشاہ کا حکم قانون کی حیثیت رکھتا تھا۔ لیکن اس کے باوجود یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ امراء و عمائد جو بادشاہ کے اردگرد ہوتے تھے۔ اور جو اس کے اقتدار کو عملاً نافذ کرنے کے ذمہ دار تھے، سلطنت کی پالیسیاں بنانے میں ان کا بڑا ہاتھ ہوتا تھا۔ چنانچہ کوئی بادشاہ خواہ وہ کتنا بھی زبردست اور جابر کیوں نہ ہوتا اپنے امراء و عمائد کے تعاون کے بغیر وہ زیادہ عرصہ برسر

---

[1] شہزادہ داراشکوہ اپنی کتاب "سفینۃ الاولیاء" میں حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند کے حالات میں لکھتا ہے "حضرت کے مریدین باصفا کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ماوراءالنہر کے اکثر و بیشتر باشندے آپ ہی کے مریدوں میں شامل ہیں۔ شریعت مطہرہ کی پابندی آپ کا شعار تھا حنفی المذہب شیخ تھے اور امام اعظم ابوحنیفہ سے آپ کو خصوصی عقیدت تھی۔ اس سلسلے کے جتنے بھی مشائخ گزرے ہیں وہ سب کے سب حنفی المذہب تھے۔" (اردو ترجمہ)

اقتدار نہیں رہ سکتا تھا۔[۱]

بابر کے بعد ہمایوں اور ہمایوں کے بعد اکبر آتا ہے۔ اپنے باپ کے تلخ تجربے کے بعد اکبر نے یہ ضروری سمجھا کہ وہ کاروبار سلطنت میں تمام تر انحصار اپنے ترکمانی و تورانی سرداروں پر نہ رکھے بلکہ وہ اس وسیع و عریض برصغیر میں مغل سلطنت کو مستحکم بنیادوں پر کھڑا کرنے کے لئے دوسرے با اثر عناصر سے بھی مدد لے، اس طرح ایک طرف سے راجپوت اور دوسری طرف سے ایرانی امراء اکبر کی سلطنت میں شریک ہوتے ہیں، اور وہ تورانی، افغانی، راجپوت اور ایرانی سرداروں اور امیروں کی مدد سے عظیم مغل سلطنت کی بنیاد رکھنے میں کامیاب ہوتا ہے۔ ہندوستان کے ان مختلف نسلوں، ملّتوں اور مذہبی فرقوں کے حکمراں عناصر کو جن پر کہ مغل سلطنت قائم تھی، بادشاہ کا وفادار رکھنے کے لئے کسی قسم کی ایک ذہنی ہم آہنگی جسے اس زمانے میں آئیڈیالوجی" کہا جاتا ہے، چاہیئے تھی، چنانچہ وہ اس فکر سے پیدا کرنے کی کوشش کی گئی، جو تاریخ میں "دین الٰہی" کے نام سے مشہور ہے۔ سلطنتوں کے بانیوں کو اکثر ایسے حالات سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ مامون الرشید نے ایرانیوں اور عربوں کو ہم آہنگ کرنے کے لئے معتزلیت کی حوصلہ افزائی کی، لیکن وہ فکر زیادہ عرصہ تک پنپ نہ سکا۔ اس سے پہلے اموی فرمانرواؤں نے عرب قبیلوں کو باہم لڑا کر اپنا اقتدار بحال رکھنا چاہا تھا۔ لیکن اس کی وجہ سے نہ صرف امویوں کے ہاتھ سے بالکل ان عرب قبائل کے ہاتھوں سے بھی اقتدار جاتا رہا۔ اور عباسی خاندان غیر عرب عناصر کی مدد سے برسر اقتدار آ گیا۔

---

[۱] دوران گفت گو میں ایک دفعہ مولانا عبیداللہ سندھی نے فرمایا:- دارا شکوہ کی شکست کے بعد جب شاہ جہاں آگرے کے قلعے میں محصور ہوگیا، تو اس نے عالمگیر کو ملنے کے لئے بلایا، لیکن وہ امراء و عمائد جو عالمگیر کے ساتھ مل کر دارا شکوہ کے خلاف لڑے تھے، وہ اس میں مانع ہوئے اور انہوں نے باپ بیٹے کی ملاقات نہ ہونے دی۔ بقول مولانا مرحوم اس مطلق العنان شاہی دور میں بھی ایک حکمراں طبقہ ہوتا تھا، جس کی مدد سے بادشاہ حکومت کرتے تھے۔ البتہ یہ طبقہ امراء و عمائد کا تھا جنہیں اس دور کا حکمراں طبقہ کہا جا سکتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ مغل سلطنت کی بنیادوں کو مضبوط بنانے کے لئے اکبر نے جو پالیسی اختیار کی وہ کوئی اَن ہونی نہیں تھی کہ اس پر آج ہم بہت زیادہ بگڑیں اسے دراصل استحکام سلطنت کے لئے اُس وقت کے زیادہ سے زیادہ بااثر عناصر کے تعاون کی ضرورت تھی، اور اس تعاون کو حاصل کرنے کی راہ اسے یہی نظر آئی تھی اور یہ واقعہ ہے کہ جب تک اکبر کے جانشینوں کو ان تمام عناصر کا تعاون حاصل رہا وہ داخلی طور سے بھی مضبوط رہے، اور باہر سے بھی ان پر حملے نہیں ہو سکے لیکن جیسے ہی اکبر کی سیاسی پالیسی کو شکست ہوئی مغل سلطنت کا شیرازہ بھی بکھرنا شروع ہو گیا۔

بہر حال اکبر کی اس سیاسی پالیسی کو جس آئیڈیالوجی کے ذریعہ فکری تقویت دینے کی کوشش کی گئی اس کے خلاف مسلمان حکمران طبقوں کا شدید ردّعمل ہوا۔ اور بتدریج اس کی مخالفت بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ عالمگیر اورنگ زیب کا دورِ حکومت آتا ہے، جو اکبر کی اس فکری اساس کا بالکل ضد تھا۔ اس ردّعمل کو ایک مثبت تحریک کی شکل میں بدلنے کا سہرا اگر ایک طرف تورانی اور ان کے ہم خیال دوسرے امراء و عمائد پر ہے تو دوسری طرف اس میں نقشبندی سلسلے کے بزرگوں کا بھی بڑا ہاتھ ہے۔

تصوّف کے چشتی، سہروردی اور قادری سلسلوں کے برعکس جو بالعموم شاہی درباروں سے دور ہی رہنا مناسب سمجھتے تھے نقشبندی سلسلے کے بزرگ مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے ارباب اقتدار سے ربط ضبط رکھنا ضروری قرار دیتے تھے چنانچہ اس سلسلے کے ایک مشہور بزرگ خواجہ عبیداللہ احرار کا ایک قول حضرت مجدّد الف ثانی نے کئی مکتوبات میں نقل کیا ہے۔

"اگر ما شیخی مے کردیم۔ دریں روزگار ہیچ شیخ مریدے نیافت، لیکن مارا کار دیگر فرمودہ اند کہ مسلماناں را از شرِّ ظلم نگاہداریم۔ بواسطۂ ایں بپادشاہاں بایست اختلاط کردن و نفوس ایشاں را مسخر گردانیدن و بتوسط ایں عمل مقصود مسلمین برآوردن[1]"

خواجہ بہاء الدین نقشبند کے اتباع میں سے خواجہ عبیداللہ احرار کی روحانیت سے مستفید اسی نقشبندی

---

[1] ردِّ کوثر

سلسلے کے ایک بزرگ خواجہ محمد باقی اللہ انہی دنوں دہلی تشریف لائے۔ ان کے عقیدت مندوں میں عہد اکبری کے بڑے بڑے سردار اور امراء شامل تھے، بالخصوص نواب مرتضیٰ خاں[1] جن کی مدد سے جہانگیر کی تخت نشینی کے سب مراحل طے ہوئے اور جنہوں نے جہانگیر سے پاس شریعت کا عہد لیا۔ حضرت خواجہ کے بڑے معتقد تھے ان کے علاوہ طبقۂ امراء کے اور با اثر افراد بھی خواجہ باقی اللہ سے عقیدت و ارادت رکھتے تھے حضرت مجدّد الف ثانی انہی خواجہ صاحب کے مرید اور تربیت یافتہ تھے چنانچہ رودِ کوثر کے مصنف کے الفاظ میں۔

"حضرت خواجہ باقی اللہ نے ہندوستان میں نقشبندیہ سلسلے کی مستحکم بنیاد رکھ دی اور طبقۂ امراء میں مذہب سے وہ انس پیدا کر دیا جس کے سامنے اکبر کے مذہبی خیالات کا فروغ ناممکن تھا لیکن انہیں بہت دن جینا نصیب نہیں ہوا۔ ان کے کام کی کما حقہٗ تکمیل ان کے بلند اقبال اور بلند ہمت مرید حضرت مجدد الف ثانی نے کی، جنہوں نے ہوا کا رخ ایک جانب سے بالکل دوسری سمت پھیر دیا۔"

---

[1] نواب مرتضیٰ خاں شیخ فرید بخاری سید تھے دور اکبری کے آخر میں ان کا اثر و رسوخ بہت بڑھ گیا تھا جہانگیر کے عہد میں وہ سب امرا پر بازی لے گئے تھے۔

خواجہ باقی اللہ کے ذریعہ سلسلۂ نقشبندیہ کو ہندوستان میں مستحکم کرنے میں ان کا بڑا ہاتھ تھا عبدالرحیم خانخاناں بھی حضرت خواجہ صاحب کا معتقد تھا۔ ایک اور امیر صدر جہاں تھے۔ ان کو بھی حضرت نے ذکر کی تلقین فرمائی۔ عہد اکبری کا ایک سربرآوردہ سردار قلیج خاں تھا جو بڑا متدین مسلمان تھا۔ جب وہ لاہور کا گورنر تھا تو ہر روز مدرسے میں جا کر تین گھنٹے تک فقہ و تفسیر و حدیث کا درس دیتا اور علوم شرعی کی ترویج کرتا۔ اس کے بھی حضرت خواجہ باقی اللہ سے گہرے تعلقات تھے۔ ایک اور امیر حسام الدین جو ابوالفضل و فیضی کے بہنوئی تھے، سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر آپ سے متعلق ہو گئے۔ اور ان کی بیوی یعنی ابوالفضل و فیضی کی بہن حضرت خواجہ باقی اللہ کی خانقاہ کے خرچ کے لئے برابر نذرانہ بھیجتی رہی۔

(رودِ کوثر)

غرض ان نقشبندی بزرگوں اور ان کے عقیدت مند بڑے بڑے امراء کی کوششوں سے وہ سیاسی، تہذیبی ذہنی اور مذہبی رجحان جو اکبر کی پالیسیوں کا قدرتی نتیجہ تھا، نہ صرف رک گیا، بلکہ ہوا کا رخ دوسری طرف مڑ گیا، اور اکبر کے جانشین یکے بعد دیگرے اس سے زیادہ دور ہوتے گئے۔

حضرت خواجہ باقی اللہ کی طرح حضرت مجدد الف ثانی کے بھی امراء سے بڑے گہرے تعلقات تھے، چنانچہ ان کے بہت سے مکتوبات انہی عقیدت مند امراء کے نام ہیں، جن میں وہ انہیں اکثر ترویج شریعت کی تلقین کرتے ہیں[۱] ایک خط میں شیخ فرید کو لکھتے ہیں :- کہ "دولت اسلام کی جو مانع طاقت تھی، اسے زوال آگیا اور بادشاہ اسلام[۲] کے جلوس کی بشارت خاص و عام کے کانوں تک پہنچ گئی ہے۔ اب اہل اسلام کو بادشاہ کا ممد و معاون ہونا چاہیئے اور ترویج شریعت اور تقویت ملت کی طرف رہنمائی کرنی چاہیئے۔" اکبر اور اس کے بعد ایک حد تک جہانگیر کے عہد میں شیعیت اور ہندویت کا جو اثر بڑھ گیا تھا آپ اس کے سدباب میں بھی بڑے کوشاں تھے۔ اور اس معاملے میں آپ کا لہجہ کافی سخت تھا، اپنے ایک مکتوب میں شیخ فرید کو لکھتے ہیں :- پس اسلام کی عزت کفر اور کافروں کی خواری میں ہے، جس نے اہل کفر کو عزیز رکھا، اس نے اہل اسلام کو خوار کیا۔ ان کے عزیز رکھنے سے فقط تعظیم کرنا اور بلند بٹھانا ہی مراد نہیں، بلکہ اپنی مجلسوں میں جگہ دینا اور ان کی ہم نشینی کرنا اور ان کے ساتھ گفت گو کرنا سب اعزاز میں داخل ہے۔ کتوں کی طرح ان کو دور کرنا چاہیئے اور اگر دنیاوی اغراض ان کے متعلق ہوں، جو ان کے بغیر حاصل نہ ہوتی ہوں، تو پھر بھی بے اعتباری کے طریق کو مدنظر رکھ کر بقدر ضرورت ان کے ساتھ میل جول رکھنا چاہیئے۔ اور کمال اسلام تو یہ ہے کہ اس دنیاوی غرض سے بھی

---

[۱] عبدالرحیم خانخاناں کے نام ۱۴ - حسام الدین کے نام ۱۵ - شیخ فرید بخاری نواب مرتضیٰ کے نام ۱۲۱ اور مرزا فتح اللہ حکیم کے نام ۳ مکتوب ہیں۔ اسی طرح ممتاز امراء میں مندرجہ بالا امراء کے علاوہ مرزا داراب، صدر جہاں، قلیچ خاں، مرزا ایرج، خان اعظم، حکیم صدرا وغیرہ شامل ہیں۔ ان سب کے نام مکتوب کی تعداد ۱۰۰ سے اوپر ہی ہے (حیات مجدد از پروفیسر محمد فرمان ایم اے)

[۲] یعنی جہانگیر

دو گزریں اور ان کی طرف نہ جائیں" (ترجمہ[1])

انہیں شیخ فرید کے نام اور ایک خط ہے، جس میں ان کے نیک کاموں کی تعریف کرنے کے بعد لکھا ہے:۔ "اسلام اور اہل اسلام کی عزت کفر اور اہل کفر کی خواری میں ہے۔ جزیہ سے مقصود کفار کی خواری اور ان کی اہانت ہے۔ جس قدر اہل کفر کی عزت ہو اسی قدر اسلام کی ذلت ہوتی ہے۔ اس سررشتہ کو اچھی طرح نگاہ میں رکھنا چاہیئے اکثر لوگوں نے اس سررشتہ کو گم کر دیا ہے، اور دین کو برباد کر دیا ہے[2]"

جہانگیر نے شیخ فرید کو کانگڑے کی مہم پر بھیجا تھا۔ اس موقع پر ان کے نام حضرت مجدد نے ایک خط لکھا ہے جو موصوف کے نام حضرت مجدد کا آخری خط ہے۔ کانگڑے میں ہندوؤں کا ایک بڑا تیرتھ تھا جس میں پرانی مورتی تھی۔ حضرت مجدد کی بڑی خواہش تھی کہ شیخ فرید اس بت کو توڑ دیں۔ اور اس تیرتھ کی اہانت کریں چنانچہ لکھتے ہیں:۔ "ان بدبختوں اور ان جھوٹے خداؤں کی تحقیر اور توہین میں بہت کوشش کرنی چاہیئے اور ظاہر اور باطن میں جس قدر ہو سکے، ان لوگوں کی بربادی کی کوشش کرنی چاہیئے۔ امید ہے کہ بعض سستیاں جو آپ سے وقوع میں آئی ہیں اس عمل سے ان کی تلافی اور کفارہ ہو جائے گا۔ بدن کی کمزوری اور سردی کی شدت مانع ہے۔ ورنہ فقیر خود حاضر خدمت ہو کر اس امر کی ترغیب دیتا اور اس تقریب سے اس پتھر پر تھوکتا اور اس کو اپنی سعادت کا سرمایہ جانتا[3]"

ایک اور خط مرزا جعفر بیگ کے نام ہے، جس میں لکھتے ہیں:۔ "میرے مخدوم! جب کفار قریش نے اپنی کمال بدنصیبی سے اہل اسلام کی ہجو اور برائی میں کمال مبالغہ کیا تو حضرت پیغمبر علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے اسلامی شاعروں کو حکم دیا کہ کفار نگوں سار کی ہجو کریں"۔ ایک ہندو ہردے رام نے حضرت مجدد کے نام اپنے دو خطوں میں فقراء و صوفیہ سے محبت کا اظہار کیا اور لکھا کہ رام اور رحمان حقیقت میں ایک ہیں۔ اس کے جواب میں حضرت مجدد نے لکھا:۔ "..... رام و کرشن وغیرہ جو ہندوؤں کے معبود ہیں۔ اس (پروردگار) کی کمینہ مخلوقات میں سے ہیں۔ اور ماں باپ سے پیدا ہوئے ہیں رام جسرتھ کا بیٹا اور لچھمن کا بھائی اور سیتا کا خاوند ہے۔

---

[1] ردِ کوثر

[2] ردِ کوثر　　[3] ردِ کوثر

جب رام اپنی بیوی کو نگاہ میں نہ رکھ سکا تو پھر دوسرے کی کیا مدد کر سکتا ہے۔[1]

حضرت مجدد کے مکتوبات میں سے یہ اقتباسات دینے کے بعد مصنفِ رودِ کوثر لکھتے ہیں:۔ حضرت مجدد کا غیر مسلموں کے متعلق جو خاص نقطۂ نظر تھا (اور جو فی الحقیقت ہندوؤں کی جارحانہ احیائی تحریک کے خلاف ردِ عمل تھا) اس کا ایک اثر یہ ہوا کہ اکبر کے زمانے سے ہندوؤں کی تالیفِ قلب کے لئے جو مصالحانہ کوششیں ہوئی تھیں، ان کے خلاف ردِ عمل شروع ہوا۔ اکبر کے زمانے میں جزیہ موقوف ہوا تھا۔ اور ذبیحِ بقر پر پابندیاں لگائی گئیں۔ حضرت مجدد کو یہ دونوں باتیں ناگوار تھیں۔ اور ان کی بڑی خواہش تھی کہ جزیہ نئے سرے سے لگایا جائے اور ذبح بقر عام طور پر رائج ہو۔ کئی خطوں میں اس بات پر افسوس کیا ہے کہ ہندوؤں سے جزیہ لینا برطرف کر دیا گیا ہے ایک خط میں شیخ فرید کو لکھتے ہیں "جزیہ از اہل کفر[2] کہ در ہندوستان برطرف شدہ است، بواسطۂ شومیٔ مصاحبتِ اہل کفر است با سلاطین ایں دیار" ایک اور خط میں ذبح بقر کی تائید کی گئی ہے۔ "ذبح بقر در ہندوستان از اعظم شعائر اسلام است۔ در ابتدائے بادشاہت اگر مسلمانی رواج یافت فبہا اگر عیاذاً باللہ سبحانہٗ درتوقف افتاد کار بر مسلمانان بسیار مشکل خواہد شد" جہانگیر اور شاہ جہاں نے تو ملکی مصلحتوں کی بنا پر ان خیالات پر عمل نہیں کیا، لیکن اورنگ زیب نے جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ حضرت مجدد کے خلیفہ خواجہ محمد معصوم کا مرید تھا، حضرت مجدد کی بیشتر خواہشیں پوری کر دیں۔ اور جزیہ اور ذبح بقر کے متعلق وہی احکام جاری کئے، جن کی حضرت مجدد کو تمنا تھی!

ہندوؤں کی طرح "شیعوں کی مخالفت بھی حضرت مجدد کی تعلیمات کا ایک ضروری جزو تھی۔ اور وہ خلفائے اربعہ کے احترام میں ذرا بھی کمی گوارا نہ کرتے تھے۔ ایک دفعہ شہر سامانہ کے خطیب نے خطبۂ عید کے دوران خلفائے راشدین کا نام نہ لیا تو آپ نے فوراً اس شہر کے مشائخ و قضاۃ کو خط لکھا کہ خطیب کی اس فروگذاشت پر اس کے ساتھ سختی کیوں نہ کی گئی ۔۔۔۔۔ خواجہ محمد معصوم کا بھی اس مسئلے میں وہی طرزِ عمل تھا، جو ان کے والد بزرگوار کا تھا ان کے مکتوبات میں ایک اہم خط ہے (دفتر اوّل شمارہ ۷۶) جو کہا جاتا ہے کہ انہوں نے شاہزادہ اورنگ زیب کو لکھا

---

[1] رودِ کوثر

[2] حضرت مجدد نے ہنود کے لئے ذمی کا لفظ کہیں نہیں استعمال کیا۔ ہمیشہ اہل کفر کہتے ہیں۔

اور جس میں تکفیرِ روافض اور ان کو قتل کرنے کے حق میں کئی حدیثیں درج کی ہیں۔ ایک حدیث ہے۔

ابو درداء میں لکھا ہے کہ ابن عباس نے روایت کی کہ آخری زمانے میں ایسے لوگ ہوں گے، جنکو روافض کہیں گے۔ جو اسلام کی توہین کریں گے۔ ان کو قتل کرنا۔ کیونکہ یہ مشرک ہوں گے۔" [1]

شیعہ سنی اختلافات میں شدت کی یہ نوعیت دراصل ماوراء النہر کی سرزمین کا اثر ہے، جہاں ایران اور توران کی پرانی مخالفت نے یہ شکل اختیار کرلی تھی۔ عہد مغلیہ میں شیعہ سنی مناقشات زیادہ تر نقشبندیہ سلسلے کی ایک اور شاخ کے ذریعہ ظہور پذیر ہوئے۔ ہندوستان میں اس سلسلے کے بانی ۔۔۔۔ حضرت خواجہ ایشاں تھے، جو شیخ سرہندی کے ہم عصر تھے، وہ بخارا میں پیدا ہوئے۔ وہیں تعلیم پائی۔ اور سمرقند ہوتے ہوئے ہندوستان تشریف لائے ۔۔۔"

اکبر کی پالیسیوں کے خلاف جو ردّعمل ہوا، اور اس ضمن میں نقشبندی بزرگوں اور ان کے معتقد ارباب اقتدار نے جو طریقہ کار اختیار کیا، جس کا مختصراً ذکر اوپر ہے، اس کے بارے میں ظاہر ہے دو رائیں ہوسکتی ہیں۔ ایک فریق کے نزدیک یہ حضرت مجدد کی مساعی جمیلہ تھیں، جن کی بدولت دورِ اکبری کا عظیم ترین دینی فتنہ فرو ہوسکا اور اس کے بعد اس سرزمین میں اسلام کو نئی زندگی نصیب ہوئی۔ چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی حقیقتاً دوسری ہزاریں ہجری کے مجدد تھے اور اللہ نے انہیں بروقت خبردار کیا تھا۔"

مولانا مناظر احسن گیلانی حضرت مجدد کے اس کارنامے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں "۔۔۔۔ وہ (نہر) جاری ہوئی بلکہ اور بڑھتی چڑھتی رہی۔ تا اینکہ ایک صدی بھی پوری نہ گزرنے پائی تھی کہ اس کی یہی تجدیدی نہر ایک بحرِ بیکراں کی شکل میں ٹھاٹھیں مارتی ہوئی آفاق کے کناروں سے ٹکرانے لگی۔ جس مغل بادشاہ نے فقیہہ کا ترجمہ بزورِ شمشیر "احمق" مشہور کیا تھا، خدا کی شان دیکھو کہ اسی کے تخت پر اس کا حقیقی پوتا اس تجدیدی معرکے کے بعد بیٹھتا ہے اور قرآن وحدیث تو بڑی چیزیں ہیں، دینی وعلمی حیثیت سے جن کا درجہ نسبتاً فروتر ہے۔ یعنی فقہ اور فقہاء جنہیں اس کے دادا نے اپنی آنکھوں سے گرایا تھا۔ انہیں وہ اپنے سر پر بٹھاتا ہے [2] ۔۔۔۔"

---

[1] ردِ کوثر   [2] تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہ

مولانا مودودی اپنی کتاب "تجدید واحیائے دین" میں حضرت مجدد کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں :۔ ۔ ۔ ۔ وہ ایک اکیلا شخص تھا جو وقت کے ان فتنوں کی اصلاح اور شریعت محمدی کی حمایت کے لئے اٹھا اور جس نے شاہی قوت کے مقابلے میں یکہ و تنہا احیائے دین کی جدوجہد کی ۔ ۔ ۔ ۔ جہانگیر جس نے سجدۂ تحیہ نہ کرنے پر شیخ کو گوالیار کے قیدخانہ میں بھیج دیا، آخر کار شیخ کا معتقد ہو گیا اور اپنے بیٹے خرم کو، جو بعد میں شاہ جہاں کے لقب سے مشہور ہوا، اس کے حلقۂ بیعت میں داخل کیا۔ ۔ ۔ ۔ شیخ کی وفات کے تین سال بعد عالمگیر پیدا ہوا اور وہ غالباً شیخ ہی کے پھیلائے ہوئے اصلاحی اثرات تھے جن کی بدولت تیموری خاندان کے اس شاہزادے کو وہ علمی اور اخلاقی تربیت مل سکی کہ اکبر جیسے ملحدِ شریعت کا پرپوتا خادمِ شریعت ہوا ۔ ۔ ۔ ۔"

"تذکرہ" میں ایک زمانہ ہوا، مولانا ابوالکلام آزاد نے حضرت مجدد کے اصل کارناموں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا تھا۔ "۔ ۔ ۔ ۔ ۔ دوسری طرف عہد اکبری کی بدعات تخت و تاج حکومت کے زور سے ہر طرف پھیل چکی تھیں اور علمائے سوء و مشائخ دنیا پرست خود ان کے احداث و اشاعت کے نقیب تھے۔ کون تھا کہ اس وقت امن و عافیت کے مدرسوں اور سلطانی و فرمانروائی کی خانقاہوں سے نکلتا اور دعوت و اصلاح کی امتحان گاہوں میں قدم رکھتا اور پھر نصرت الٰہی کے لشکروں اور نفوذ باطنی کے سامانوں سے ایسا مسلح ہوتا کہ نہ شہنشاہِ ہند کا تاج و تخت اس کی راہ روک سکتا اور نہ وقت کی حکمرانی و فرمانروائی اس کے سلطانِ حق و سطوتِ الٰہی پر غالب آسکتی ۔ ۔ ۔ ۔"

مولانا ابوالحسن علی ندوی نے حضرت مجدد کو یوں خراجِ تحسین پیش کیا ہے :۔ "حقیقت یہ ہے کہ اگر ہندوستان میں اللہ تعالیٰ دو شخصوں کو پیدا نہ کرتا اور ان سے اپنے دین کی دستگیری نہ فرماتا، تو یوں تو اللہ تعالیٰ اپنے دین کا نگہبان ہے، اس کی حفاظتِ دین کے طریقے ہزار ہیں، لیکن بظاہر تیرھویں صدی تک یا تو اسلام ہندوستان سے بالکل فنا ہو جاتا یا اتنا بگڑ جاتا، جتنا ہندو مذہب۔ یہ دو بزرگ ہندوستان کے مسلمانوں کے جلیل القدر محسن اور اسلام کے عظیم الشان پیشوا حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ اور شیخ الاسلام شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ احیائے اسلام اور خدمت شرع کے تذکرے میں ان نائبانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور درویشوں کے ساتھ ایک دنیادار بادشاہ محی الدین اورنگ زیب عالمگیر مرحوم

کا نام بھی زبان پر آتا ہے[1]"

یہ تو ایک فریق کی رائیں ہوئیں اور عوام کے علاوہ خواص کی بھی غالب اکثریت اسی طرف گئی ہے لیکن ایک فریق جو بہت مختصر ہے، وہ ان واقعات کو تمام کمال اس نظر سے نہیں دیکھتا۔

مولانا عبیداللہ سندھی حضرت مجدد صاحب اور شاہ ولی اللہ صاحب کے تجدیدی کارناموں پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں :۔" اُن (شاہ ولی اللہ) کے نزدیک اکبر کا کام سب مذاہب اور ساری قوموں کو باہمی منافرت اور عداوت کے بجائے دوستی و آشتی کے رشتے میں پرونا تھا۔ چنانچہ اس کا یہ اقدام عین صواب تھا کیونکہ مختلف مذاہب اور دوسری ملتوں کے متعلق اس قسم کا جامع انسانیت تصور رکھے بغیر کوئی بین الاقوامی اور وسعت پذیر نظام وجود میں نہیں آسکتا۔ اور اکبر کو اس میں ابن عربی کے وحدت الوجود کے فکر سے مدد ملی چنانچہ یہ تصور انسانیت کے بقا اور اس کی ترقی کے لئے بے حد مفید ہے۔[2]

اکبر کے اس جامع انسانیت اور بین الاقوامی تصور کے برعکس اورنگ زیب عالمگیر نے جس تصور کو مشعل راہ بنایا، اس میں ملت اور ملت میں بھی اہل السنت والجماعت کے ایک مخصوص گروہ کی سالمیت و استحکام اور برتری پر زیادہ زور تھا۔ بقول مولانا سندھی کے، اسے اس مقصد کے لئے حضرت امام ربانی ایسے پیر و مرشد مل گئے، جنہوں نے ابن عربی کے وحدت الوجود کے مقابلے میں اپنا وحدت الشہود کا تصور پیش کیا اور ساتھ ہی ایک روحانی پیشوا اور اسلام کے مجدد کی حیثیت سے مسلمانوں میں غیر معمولی جوش اور ولولہ پیدا کر دیا ان کی کوششوں سے جہانگیر اور شاہ جہاں کے زمانوں میں اکبری طریقہ کار میں بعض تبدیلیاں ہوئیں اور اورنگ زیب عالمگیر کی کامیابی بہت حد تک اس تصور والے گروہ کی رہین منت تھی، چنانچہ اس کے بادشاہ بننے سے سلطنت میں اس گروہ کو اپنے حریف راجپوتوں اور شیعوں پر پورا غلبہ حاصل ہو گیا"[3]

---

[1] سیرت سید احمد شہید

[2] تعلیمات مولانا عبیداللہ سندھی

[3] تعلیمات مولانا عبیداللہ سندھی

حضرت مجدد الف ثانی کی دعوت تجدید اور ان کی اصلاحی کوششوں کا عملی نتیجہ دورِ عالمگیر ہے اور اس میں جو مسلک اختیار کیا گیا۔ اس کے بارے میں مولانا سندھی فرماتے ہیں :۔ عالمگیر کی اس سیاست سے ہندو بدک اٹھے۔ اور شیعوں میں ناراضی پھیل گئی۔ اکبر کے عہد سے راجپوت اور شیعہ مغلیہ سلطنت کی دو بڑی طاقتیں بن گئی تھیں ۔۔۔۔ اب جو حکومت کا طرز بدلا تو سلطنت سے ان طبقوں کی پہلی سی وفاداری نہ رہی اور ملک کے اندر تفرقہ اور انتشار کے جراثیم پیدا ہونے لگے ۔۔۔۔۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جن طبقوں کے بل پر عالمگیری سیاست کا ڈول ڈالا گیا تھا۔ وہ اتنی بڑی سلطنت کا بار اٹھانے کے قابل نہ رہے اور اس طرح مخالفوں کو موقع مل گیا کہ وہ عالمگیر کی آنکھیں بند ہوتے ہی اپنے اپنے علاقوں میں خود مختار بننے کے لئے ہاتھ پاؤں ماریں[1]۔

گویا اورنگ زیب عالمگیر جس تجدیدی دعوت کا عملی پیکر تھا، وہی آخر کار موجب بنی اس خلفشار اور افراتفری کا، جو مغل سلطنت کو لے ڈوبی اور نہ صرف یہ کہ ہندوستان کی مختلف قومیں متحد نہ رہیں، بلکہ خود مسلمانوں میں یکجہتی پیدا نہ ہو سکی۔

مولانا سندھی فرماتے ہیں کہ دراصل عالمگیر کے پیش نظر یہ تھا کہ وہ مسلمانوں کو بحیثیت ایک جماعت[2] کے منظم کرے اور اکبر کے بین الاقوامی اور جامع انسانیت تصور کو عملی جامہ پہنانے میں جماعتی زندگی کے اندر جو بے عنوانیاں پیدا ہو گئی تھیں، ان سے اسلامی زندگی کو پاک کرے اس کام میں امام ربانی کے فیوض سے اسے رہنمائی ملی لیکن ہندوستان میں اور قومیں اور مسلمانوں کے اور فرقے بھی تھے۔ اب ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ جہاں ایک طرف مسلمانوں کو بحیثیت ایک جماعت کے منظم کیا جاتا، وہاں دوسری قوموں اور دوسرے فرقوں سے بھی ان کی ہم آہنگی ہوتی۔ کیونکہ جہاں تک زندگی کی اصل ضرورتوں کا تعلق ہے ایک طرف جماعتی و قومی اور دوسری طرف قومی و بین الاقوامی مصلحتوں میں تعارض نہیں ہونا چاہیئے۔ لیکن عالمگیر کے دور میں یہ تعارض پیدا ہوا، اور اس کے نتائج بھی تباہ کن ثابت ہوئے۔ یہاں قدرتاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس کی ذمہ داری

---

[1] تعلیمات مولانا عبیداللہ سندھی

[2] اس سے مراد اہل السنت والجماعت ہے۔

کم یا زیادہ حضرات امام ربانی کی دعوت تجدید پر نہیں عائد ہوتی، شیخ محمد اکرام صاحب نے بھی رودِ کوثر میں بڑی تفصیل سے اس موضوع پر بحث کی ہے، وہ "حضرت مجدد کی مذہبی خدمات" کے ضمن میں لکھتے ہیں :- ....

"اکبری الحاد کے خاتمے میں اس زمانے کے مسلمان امرا کی کوششوں کو بڑا دخل تھا۔ اور ان مسلمان امرا کو حضرت مجدد جس طرح ترویج شریعت پر آمادہ کرتے رہتے تھے، اس کا ذکر بھی ہم کر چکے ہیں۔ لیکن حضرت مجدد کی کوششیں صرف مسلمانوں کے با اثر طبقے کو اپنے فرائض یاد دلانے اور امرا کے خیالات کی اصلاح تک محدود نہ تھیں۔ انہوں نے عامۃ المسلمین بلکہ جمہور علماء اور صوفیہ کے خیالات کی بھی اصلاح کی اور اس بات کوئی شک نہیں کہ عہد اکبری کی مذہبی بے قاعدگیوں کے خلاف جو ردّ عمل ہوا اور شرع و دین نے جو بتدریج دوبارہ فروغ حاصل کیا، اسے حضرت مجدد کی ذات والا صفات سے بڑی تقویت ملی۔

"حضرت مجدد کی ایک اہم اسلامی خدمت یہ ہے کہ آپ نے اس سلسلۂ تصوف کی اشاعت کی جو ہندستان طریقوں میں شریعت سے قریب ترین ہے ....

"اس کے علاوہ نہ صرف آپ نے طریقت کا صحیح سلسلہ اختیار کیا اور اسے ترقی دی، بلکہ طریقت کے مقابلے میں شرع کی اہمیت واضح کردی۔ چنانچہ آپ تعلیم دینی کو تعلیم سلوک پر مقدم رکھتے تھے ....

"آپ نے عقیدۂ وحدت الوجود کی نئی توجیہہ کی اور وحدت الشہود کا نظریہ قائم کرکے مسلمان صوفیاء اور علماء کے اختلافات رفع کردیئے .....

"شرع کی حمایت اور ترجمانی کے علاوہ آپ کا ایک بڑا کام ردِّ بدعت تھا۔

"..... ردِّ روافض کے نام سے ایک رسالہ لکھا۔ مکتوبات میں سنئ فرقے کی مخالفت کی۔ اور خود جہاں جاتے یا جہاں ان کے خلفاء اور مرید ہوتے، اس فرقے کے عقائد کی مخالفت کرتے، یہی وجہ ہے کہ جہانگیر کے مزاج میں نورجہاں اور آصف خاں کو بہت دخل ہونے کے باوجود شیعہ عقائد ہندوستان میں بہت عام نہ ہوسکے۔

"شرع کی ترویج، طریقۂ نقشبندیہ کی اشاعت، شریعت اور طریقت کی تطبیق اور شیعیت کی مخالفت کے علاوہ حضرت نے جو اہم کام کیا، وہ اسلام کا احیاء تھا۔ اس زمانے میں جب عام علماء و مشائخ نے ایک گوشے میں بیٹھ جانا ہی سلامتی کا راستہ سمجھ رکھا تھا، آپ نے جہانگیر کے سامنے سجدہ نہ کرکے قیدو بند کی سختیاں

حیلیں اور اپنی جرأت اور اتباعِ شرع سے مغلوں کے خلاف شرع احکام کا سدِّ باب کیا ......

" حضرت مجدد نے خود احیائے اسلام کی کوشش کی اور اس کے علاوہ ایک ایسا نظام قائم کر دیا، جس سے آپ کے مقاصد کی تکمیل ہوئی۔ آپ کے صدہا خلفا تھے، جو ہندوستان کے کونے کونے میں بلکہ ہندوستان سے باہر بھی آپ کے خیالات کی اشاعت کر رہے تھے ...." علاوہ ازیں رودِ کوثر میں حضرت مجدد کے بعض طریقہ ہائے کار پر تبصرہ کرتے ہوئے شیخ محمد اکرام صاحب نے یہ بھی لکھا ہے۔ "..... ان (حضرت مجدد اور ان کے جانشینوں) سے پہلے بزرگانِ اہلِ طریقت نے غیر مسلموں کے ساتھ سختی اور شدت کی تلقین نہیں کی۔ مسلمان بادشاہوں کا ملکی اور فوجی مصلحتوں کی بناء پر ان سے خواہ کیا سلوک ہو، اور فقہا اور علماء ان کے متعلق خواہ کچھ ہی فتوے دیں، لیکن حضرات صوفیہ نے کبھی ان کے خلاف غیظ و غضب کا اظہار نہیں کیا"

اس کے بعد موصوف لکھتے ہیں :- "..... ان خیالات اور ان کی اشاعت کا نتیجہ ہندوستانی مسلمانوں کے لئے نیک نکلا یا بُرا۔ اس کے متعلق رائیں مختلف ہیں۔ معتقد عہدِ عالمگیری کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دیکھو اس زمانے میں اسلام کی کتنی شان تھی۔ اس کا عہدِ اکبری کی بے قاعدگیوں سے مقابلہ کرو اور پھر حضرت مجدد اور ان کے فیض کا قیاس کرو۔ معترض کہتے ہیں کہ ذرا عہدِ عالمگیری سے آگے بڑھ کر بھی دیکھو ملکی معاملات میں سیاسی مصلحتوں اور فیضِ عام کے اصولوں کو چھوڑ کر جوش اور غصے کی پیروی کرنے سے حکومت کو جو زوال ہوا اور اس ملک میں اسلامی نظام بالکل درہم برہم ہو گیا، اس کا ذمہ دار کون تھا؟ وہ سکھوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں، جنہوں نے سرہند کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور کہتے ہیں کہ اگرچہ عہدِ اکبری یا عہدِ جہانگیری میں ہندو بعض پابندیوں سے بری تھے، لیکن اسلام اور اہلِ اسلام کے لئے وہ زمانہ اچھا تھا یا مرہٹوں اور سکھوں کے عروج کا زمانہ"

شاہ ولی اللہ کے حالات بیان کرتے ہوئے ایک اور جگہ موصوف نے لکھا ہے :- "..... حضرت مجدد کی امتیازی خصوصیت ان کی "رگِ فاروقیم" یعنی شدید اسلامی احساس ہے وہ بار بار اپنے مکتوبات میں اس ترکیب کو دہراتے ہیں۔ سامانہ کے خطیب نے خلفائے راشدین کا نام خطبہ میں نہ لیا تو حضرت کی رگِ فاروقی حرکت میں آئی ... اس طرح کے اور موقع کئی تھے۔ یہ رگِ فاروقی ایک بڑی خوبی ہے اور جس وقت

فی الحقیقت اسلام خطرے میں ہو، اس سے بڑھ کر کوئی خوبی نہیں، لیکن شدت احساس میں واقعات کو صاف اور ان کی اصلی صورت میں دیکھنا مشکل ہوتا ہے۔ اور لگتا ہے کہ انسان صحیح قرآنی اور فلاح قومی کی راہ سے دور جا پڑتا ہے ہم غیر مسلموں کی نسبت حضرت مجدد کے خیالات نقل کر چکے ہیں۔ شیعوں کی نسبت بھی ان کی رائے اسی طرح انتہا پسندانہ تھی، وہ انہیں کافر سمجھتے تھے ....."

شاہ ولی اللہ کے ضمن میں مصنف لکھتے ہیں: "سرہند سے بے شک ایک تحریک اٹھی تھی، جس نے کئی مخلص اور سمجھ دار ہستیوں کو متاثر کیا، لیکن یہ تحریک تجدیدی تھی، اصلاحی نہ تھی۔ اس کی بنیاد اپنی قومیت کے احساس اور اغیار سے نفرت اور عداوت پر تھی۔ اپنی کوتاہیوں کا ازالہ کرنا اس کا مقصد نہ تھا۔ اور پھر اس تحریک میں مفید ہونے کی جتنی صلاحیت تھی، اس کا راستہ واقعات نے بند کر دیا۔ مشائخیت روحانیت پر غالب آگئی اور تجدیدی تحریک قومیت کے سراب میں گم ہو گئی ....."

حضرت مجدد نے ابن عربی کے وحدت الوجود کے جواب میں وحدت الشہود کا تصور پیش کیا تھا۔ اول الذکر میں خلق اور خالق کی غیریت پر اتنا زور نہیں دیا جاتا۔ جتنا آخر الذکر میں، اسی لئے وحدت الوجود کا عملی نتیجہ مشرب صلح کل ہے اور اس کے برعکس وحدت الشہود سے ایک خاص گروہ کی برتری کا رجحان پیدا ہوتا ہے۔ ایک میں جمالی رنگ نمایاں ہے دوسرے میں جلالی۔ حضرت مجدد نے سلسلۂ نقشبندیہ کو وحدت الشہود کا تصور دے کر جس رنگ میں رنگا، اس کے بارے میں شیخ محمد اکرام صاحب لکھتے ہیں: "خواجہ باقی باللہ کا طریقہ نقشبندیہ باقویہ۔ اس میں جمالی رنگ زیادہ نمایاں تھا۔ اور اصل زور تزکیہ نفس اور اصلاح حال پر تھا۔ سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ میں جلالی شان غالب تھی۔ اس کا طریقہ کار احیائی تھا۔"

اسی سلسلہ میں آگے چل کر موصوف لکھتے ہیں: "خاص طریقہ نقشبندیہ مجددیہ کی اشاعت کے علاوہ حضرت مجدد کی تعلیمات ہونے کا ایک بڑا نتیجہ احیائی اور شرعی زندگی کا غلبہ تھا، جو آہستہ آہستہ اسلام میں ظاہر ہوا۔ نقشبندی سلسلہ جسے ہندوستان میں خواجہ باقی باللہ لائے اور بعد میں ان کے مرید حضرت مجدد نے اسے غیر معمولی وسعت و استحکام دیا، جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے، اس کا اصل مولد و وطن ترکستان یعنی ماوراء النہر تھا جو مشتمل تھا بخارا، سمرقند، تاشقند، خیوہ اور کاشغر وغیرہ کے علاقوں پر۔ چنگیز خاں اور ہلاکو کی تباہ کاریوں کے بعد ان علاقوں

میں ترکمانوں کا جنہیں عام طور سے تورانی کہا جاتا تھا، عروج ہوا، اور ایک بار یہ تیمور کی زیر قیادت دہلی سے اناطولیہ تک کے سارے ملک روندتے چلے گئے، اور اس کے بعد بابر فرغانہ سے کابل آتا ہے اور وہاں سے ہندوستان میں مغل حکومت کی بنیاد رکھتا ہے بابر کے ساتھ ظاہر ہے اس کے اہل وطن کی ایک بڑی جمعیت آئی ہوگی۔

بابر سے لیکر مغل حکومت کے اواخر تک ترکستان سے آنے والوں کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ قاضی عبدالغفار حکیم اجمل خاں کے سوانح حیات میں جن کے مورث اعلیٰ بابر کے ساتھ ۱۵۲۶ء کے لگ بھگ ہندوستان آئے لکھتے ہیں۔

"جب وسط ایشیا سے سمرقند و بخارا کے یہ دَل بادَل دہلی کی طرف امنڈ رہے تھے تو ان کے ساتھ ساتھ اس ملک کے لاکھوں سپاہی اور اہل لشکر جن میں ترکان تیموری اور اس ولایت کے ہزارہا خوانین اور سردار بھی شامل تھے، اپنی تہذیب و تمدن کا سرمایہ لے کر ہندوستان میں داخل ہوئے۔ اس ہنگامہ خیز عہد میں جب سمرقند سے دلی اور دلی سے دکن و گجرات و بنگال تک ایک نئی دنیا کے پیدا ہونے کا ساز و سامان تیار ہو رہا تھا۔ خدا جانے ہندوستان میں کتنے مشاہیر وقت علماء، فضلاء، سپاہی اور مفکر بابر کے ہم رکاب آئے"

ترکستان سے ان آنے والوں میں اکثر و بیشتر نقشبندی سلسلے کے بزرگوں سے متاثر تھے اور یہ سلسلہ کافی مقبول تھا۔ اور ایک عرصہ سے چلا آرہا تھا۔ حضرت خواجہ بہاءالدین نقشبند خواجگان نقشبند کے سرخیل ہیں۔[۱] مولانا سندھی نے ایک جگہ لکھا ہے کہ تیمور کو آپ کے ساتھ ربط تھا۔[۲] اسی سلسلے کے ایک بزرگ خواجہ عبیداللہ احرار تھے، جو مولانا چرخی کے مرید تھے، اور وہ حضرت نقشبند سے فیض یافتہ تھے۔ شہزادہ داراشکوہ ان کے ذکر میں لکھتا ہے۔ "ما وراء النہر اور خراسان کے باشندے آپ کی بڑی قدر و منزلت کرتے تھے اور

---

[۱] سفینۃ الاولیاء از شہزادہ داراشکوہ

[۲] بعض لوگ تیمور کا ایک خواب نقل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہندوستان پر حملہ کرنے سے اس کا مقصد کفر و شرک کی بیخ کنی تھا۔ وہ "خراسان کے خوشامدی لوگوں کی باتوں میں آکر اپنے آپ کو مجدد بھی یقین کرنے لگا تھا" (آئینہ حقیقت نما از شاہ اکبر خاں نجیب آبادی) - آب کوثر

سر آنکھوں پر بٹھاتے ہیں۔ آپ سے بے شمار کرامات کا ظہور ہوا ہے۔ حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی آپ کے عقیدت کیش اور ارادت مند تھے [1]

حضرت خواجہ عبیداللہ احرار ملکی سیاسیات میں بھی حصہ لیتے تھے۔ کتاب "مشائخ نقشبندیہ مجددیہ" میں لکھا ہے کہ حضرت خواجہ کو ترویج شریعت و تجدید ملت کے لئے سلاطین سے اختلاط پیدا کرنے کا حکم ہوا۔ آپ والی سمرقند مرزا عبداللہ سے ملاقات کو گئے، اس کے مصاحبین نے آپ کو ملنے نہ دیا اور آپ کے ساتھ حقارت سے پیش آئے، آپ اسی روز متوجہ تاشقند ہوگئے۔ ایک ماہ بعد سلطان ابو سعید مرزا والئی سمرقند عبداللہ پر حملہ آور ہوا اور اسے قتل کرکے سمرقند پر قابض ہوگیا۔ مصنف کا کہنا ہے کہ مرزا موصوف آپ کے پاس تاشقند میں حاضر ہوا تھا۔ اور آپ کی توجہ سے "اس کے پاس بہت سا لشکر جمع ہوگیا اور اس نے سمرقند فتح کیا" اس کے بعد مرزا بابر (بابر) سمرقند پر حملہ آور ہوتا ہے اور محض حضرت خواجہ کی برکت سے اس کا حملہ ناکام رہتا ہے۔ اور اسے مرزا ابو سعید سے صلح کرنی پڑتی ہے۔ اس ضمن میں مصنف حضرت خواجہ کا یہ قول نقل کرتا ہے۔

فرمایا کہ اگر میں پیری کروں تو اس زمانے میں کسی پیر کو مرید نہ ملے لیکن میرے سپرد اور ہی کام کیا ہے وہ مسلمانوں کو ظالموں کے شر سے محفوظ رکھوں اور شریعت کو رواج دوں اور اسی وجہ سے تسخیر سلاطین کرتا ہوں۔ فرمایا اللہ تعالٰی نے مجھ کو اس قدر قوت عطا فرمائی ہے کہ اگر بادشاہِ ختا کو ایک رقعہ لکھ بھیجوں تو ترک سلطنت کرکے سر و پا برہنہ میرے آستانہ پر حاضر ہو، مگر میں بلا فرمان الٰہی خود نہیں کرتا ہوں۔

---

[1] اس وقت کتاب تو میرے سامنے نہیں ہے لیکن نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی مدظلہ العالی نے ظہیر الدین بابر پر جو مقالہ لکھا ہے اس میں بابر کے باپ کا ایک واقعہ درج ہے۔ کہ حضرت عبیداللہ احرار کی مجلس میں ایک دن حاضر ہوا اور تو کیلی ہڈی پر اتفاق سے بیٹھ گیا۔ گھنٹوں یہ ہڈی چبھتی رہی لیکن ادباً اپنی جگہ سے ہلا نہیں۔"

(تذکرہ شاہ ولی اللہ از مولانا مناظر احسن گیلانی)

اور ادب بھی یہی ہے کہ اپنے ارادے کو اللہ تعالیٰ کے ارادے کے تابع کرے، نہ کہ اللہ تعالیٰ کے ارادے کو اپنے ارادے کے تابع کرے۔[۱]

خواجہ عبید اللہ احرار کے مرید کے مرید مولانا خواجہ امکنگی ہیں، جن سے خواجہ باقی باللہ حضرت امام ربانی کے مرشد کو انتساب تھا۔ "مشائخ نقشبندیہ مجددیہ" میں ہے کہ عبد اللہ خاں والی توران نے مولانا امکنگی کو خواب میں رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں دیکھا اور یہ کہ آپ نے ایک شمشیر مولانا موصوف کے ہاتھ عبد اللہ خاں کو بھیجی چنانچہ صبح کو وہ مولانا کی خدمت حاضر ہوا، اور پھر برابر حاضری دیتا رہا۔ اسی کتاب میں ہے کہ ایک دفعہ سمرقند پر ایک بادشاہ بڑی فوج لے کر چڑھ آیا، لیکن آپ کی دعا و ہمت سے اسے شکست ہوئی۔

بقول مولانا عبید اللہ سندھی، خواجہ عبید اللہ احرار جن کا مولوی جامی اس طرح تعارف کراتے ہیں۔

جو فقر اندر قبائے شاہی آمد — بتدبیر عبید اللہی آمد

ان کے اتباع میں سے خواجہ محمد باقی باللہ خاص ہدایتوں کے ساتھ دلی آتے ہیں اور یہ اکبر اعظم کا دور تھا۔[۲]
آپ ترکستان سے لاہور آئے۔ ایک سال تک قیام فرمایا۔ تمام علماء و فضلاء آپ کے شیفتہ ہوگئے۔ بعد ازاں دہلی روانہ ہوئے اور وہاں قلعہ فیروزی میں سکونت اختیار کی۔

خواجہ باقی باللہ کو اگرچہ ہندوستان میں چار پانچ سال سے زیادہ رہنا نصیب نہیں ہوا۔ لیکن جس طرح

---

[۱] مشائخ نقشبندیہ مجددیہ از مولوی محمد حسن نقشبندی

[۲] آپ کو مولانا خواجگی امکنگی رحمۃ اللہ علیہ کی غلامی نصیب ہوئی۔ آپ کو وہ خلوت میں لے جا کر تین دن پہلے دن توجہ دیتے رہے،۔۔۔۔ یہاں تک آپ کی تکمیل ہوگئی ایک دن مولانا نے فرمایا۔ بابا باقی باللہ! تم اب بلاد ہند میں جاؤ۔ وہاں تم سے اس طریقۂ عالیہ نقشبندیہ کی رونق ظاہر ہوگی ۔۔۔۔۔"

(گلزار اولیا از سید عبد اللہ شاہ)

اس مختصر سے عرصے میں سلطنت کے بڑے بڑے امراء ان سے متعارف ہوگئے اور وہ خانقاہ کے مصارف کے لئے گراں رقمیں بطور نذرانہ دینے لگے[1] پھر خواجہ باقی باللہ جیسے ان امراء کا اپنے مرید امام ربانی سے تعارف کرا گئے۔ اس سے بڑی آسانی سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ اس دور کے مسلمانوں کے حکمراں طبقوں میں نقشبندیہ سلسلے کی جڑیں کافی دور تک پھیلی ہوئی تھیں۔ اور ان پر اس کا بڑا اثر تھا۔ نیز خود اکبر کے آخری زمانے ہی میں یہ امرا سلطنت میں کافی دخیل ہوگئے تھے۔ اکبر کے بعد تو ان کا عمل دخل برابر بڑھتا گیا، یہاں تک کہ عالمگیر انہیں کی مدد سے دارا شکوہ پر غالب آیا اور کلیتہً سلطنت کی پالیسی ان کے رجحانات کے مطابق بن گئی اکبر کے بعد جہانگیر، شاہ جہاں اور عالمگیر کی پالیسیاں جس طرح بتدریج بدلتی چلی گئیں۔ یہ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ کاروبار سلطنت میں ان تورانی امراء[2] کا جنہیں عالمگیر "برادران ہمشہری بزرگان ما اند" کہتا ہے بڑا اثر و رسوخ تھا۔

خواجہ باقی باللہ کابل میں پیدا ہوئے تھے، اور علوم و معارف کی تکمیل انہوں نے ماوراء النہر میں کی تھی آپ کے بعد حضرت مجدد الف ثانی کے مرید اور خلفاء گو ہندوستان میں تو تھے۔ لیکن ہندوستان سے باہر افغانستان اور ترکستان میں بھی ان کا سلسلہ دور تک پھیل چکا تھا۔ اب اکبر کے بعد ایران کے علاوہ اسلامی دنیا کے یہی دو خطے تھے، جہاں سے تیغ زنوں سے لے کر ارباب علم و قلم تک اپنی قسمت آزمانے کے لئے بڑی کافی تعداد میں

---

[1] "نواب مرتضیٰ خاں شیخ فرید اور خواجہ (حضرت باقی باللہ) کے تعلقات کچھ اس قسم کے تھے کہ حضرت خواجہ کی زندگی میں ہی نکتہ چیں کہتے تھے کہ حضرت خواجہ کی کامیابی شیخ فرید کی وجہ سے ہے" (رود کوثر) حضرت مجدد الف ثانی نے بھی شیخ فرید کے نام اپنے مکتوبات میں حضرت خواجہ کا حوالہ دیا ہے ایک خط میں شیخ فرید کو لکھتے ہیں "حضرت قبلہ گاہی قدس سرہ (یعنی حضرت خواجہ باقی باللہ) فرمایا کرتے تھے کہ شیخ جیو (شیخ فرید) کے حقوق ہم سب پر ثابت اور مقرر ہیں۔ اس جمعیت کا باعث آپ ہی ہیں" (رود کوثر)

عبدالرحیم خانخاناں، صدر جہاں، قلیچ خاں اور کئی ایک دوسرے نامور افراد بھی حضرت خواجہ سے ارادت رکھتے تھے۔

[2] ابوالفضل کے قتل کے بعد اکبر کے سب سے زیادہ حاضر باش اور محرم خاص شیخ فرید ہی تھے (باقی حاشیہ صفحہ